غیر مسلموں سے تعاون واستفادہ کے ایجابی وسلبی پہلو

Positive and negative aspect of co-operation with Non- Muslims

MUDDASSRAH MAHMOOD
PhD Scholar, Lahore college For Women University , Lahore
asimmuddassrah@gmail.com
Dr.ASIA SHABBIR
Associate Professor, Department Of Islamic Studies,Lahore college For Women University.

ABSTRACT

Today existential questions of Muslims in current situation is to interpret the Islamic laws in order to help Muslim congregations save face and faith . Since the era of globalization, it is an opportunity for global Islamic resurgence as Muslims cannot avoid Non-Muslim society of the world. To find the solution to current situation lies in the light of Seerah of Holy Prophet (S.A.W) as he preached tolerance for all religions of the world. So he managed some contracts with Jews of Madina very wisely and drew benefits from the Non-Muslims within the scope of Islamic teaching. Thus in this current situation Quran and Sunnah of Prophet Muhammad (S.A.W) act as a mental bulwark against various element that would damage Muslim community from within or produce chaos and oblivion as end goals. The methodology of my research is analytical and deductive. I will highlight that there is complete liberty in seeking benefits from Non-Muslims by maintaining admissible and inadmissible aspects in Islam.

Keywords: Mulims, Non-Muslims, Seerah, globalization, benefits.

دنیا میں دو نظریے کارفرما ہیں ایک دینی اور دوسرا لادینی۔ان پر قوموں نے اپنے اپنے معاشرتی اور سماجی اصول اور رویے متعین کیے ہیں۔جو اصول انسانی عقل وفہم کی مرہون منت ہیں ان میں ہر قوم کا وقتی یا نظریاتی مفاد متحرک نظر آتا ہے۔جو تاریخ میں ہمیشہ فساد اور نفرت کا باعث بنا۔ان میں اپنے مفاد کے حصول کے لیے دوسرے طبقے کا استحصال کیا گیا۔اور یوں ان میں تصادم اور تعصب کو ہوا ملی۔اس تعصب اور استحصال کی وجہ محدود اور خود غرض انسانی سوچ ہوتی ہے۔

اسلام ایک مکمل دین ہے اور ضابطہ حیات ہے۔یہ ایک ایسا مذہب ہے جو صرف چند رسومات اور عقائد کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسے نظام کی طرف بلاتا ہے جو بڑی مضبوطی سے تمام انسانوں کے مصائب کا حل فراہم کرتا ہے۔اسلام کی تعلیمات میں ہمہ گیریت، اعتدال اور جامعیت ہے۔اسلام کی تعلیمات افراد اور قوموں میں کشاکش کا خاتمہ کرتے ہوئے ان میں تعاون کو فروغ دیتی ہیں، جو سب کے لیے دین اور دنیا کی بھلائی کا سبب ہو۔اس لیے اسلام مسلمانوں کو اپنے دینی اور اجتماعی اہداف کے حصول کے لیے غیر مسلموں سے استفادہ کی اجازت دیتا ہے۔کیونکہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾(1)

ترجمہ:"جو کوئی کرے گا نیک عمل خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ضرور بسر کرائیں گے ہم اسے (دنیا میں) اچھی زندگی اور بدلے میں دیں گے ہم انہیں (آخرت میں) ان کا اجر، کہیں بہتر (ان اعمال) سے جو وہ کرتے رہے۔"

اپنے دنیاوی اور اخروی مقصد کی تلاش اس کی فطرت ہے۔ اگر مقصد بغیر کسی اصول و ضوابط کے ہو تو اس میں کامیابی کا سفر نہ صرف طویل بلکہ بعض صورتوں میں ناممکن بھی ہو جاتا ہے۔

دنیا میں شاید ہی کوئی شخص ہو جس کا کوئی دشمن نہ ہو، یہی دشمنی اقوام اور مذاہب میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن اس کشیدگی کو کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسلام پوری دنیا کے انسانوں کو مساوات اور رواداری کا درس دیتا ہے اور ہر انسان سے تعاون واستفادے کا خواہاں ہے۔ اسلام دیگر مذاہب کا نہ صرف احترام کرتا ہے بلکہ ان سے تعاون واستفادہ کو مباح سمجھتا ہے۔ لیکن ان تعلقات کی حد اور نوعیت کا بھی تعین کرتا ہے اسکی بنیادی وجہ یہ قانون ہے اسلام غالب دین ہے اور کسی دوسرے مذہب کی بالا دستی قبول نہیں کرتا ہے۔ مسلمان دیگر کئی مذاہب کے ماننے والوں کے برخلاف تمام انسانوں کو اللہ کی مخلوق مانتے ہیں اور ان کو نہ تو اچھوت سمجھتے ہیں اور نہ ہی ان کو انسان کے درجے گراتے ہیں۔ یہ قرآن اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ معاشرے میں اجتماعیت کو نہ صرف قبول کرتے ہیں بلکہ غیر مسلموں کو معاشرے کے مفید اور کارآمد افراد جانتے ہوئے ان سے اسلام کی دی گئی تعلیمات اور قائم کیے گئے حدود کی پاسداری کرتے ہوئے بھرپور استفادہ کرنے کو مباح جانتے ہوئے اس کی اجازت فراہم کرتی ہے۔ اگر غیر مسلموں سے کو اسلامی معاشرے سے الگ کر دیا جائے تو ایک طرف معاشرے میں نفرت، کمتری، احساس محرومی کے منفی جذبات معاشرے کو بگاڑ کی طرف لے جائے گے، دوسری طرف ایک طبقہ کو عملی ترقی سے محروم کرنا در اصل پورے معاشرے کو اس کی مثبت صلاحیتوں سے محروم کرنا ہے۔

مسلمانوں کے دینی اہداف کے حصول کے لیے غیر مسلموں سے استفادہ وتعاون کیا جا سکتا ہے۔

حدیث میں یوں بیان ہوا ہے:

---

(1) النحل 97/16

عن وابب بن عبد الله عن عبد الله بن عمرو بن العاص انه قال:رایت فیما یری ا لنائم لکان فی احدی اضبعی سمناوفی الاخریٰ عسلا فانا العقهما فلمااصبخث ذکرت ذلک لرسول الله صلیٰ الله علیه وسلم فقا ل تقرا الکتابین التورة والفرقا ن) فکان یقروهما۔[1]

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا، جیسے سونے والا دیکھتا ہے گویا کہ میری دوانگلیوں میں سے ایک پر گھی لگا ہے اور دوسری پر شہد اور میں دونوں انگلیاں چاٹ رہا ہوں، جب صبح ہوئی تو میں نے نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا آپؐ نے تعبیر بتائی کہ تم دو کتابیں تورات اور قرآن مجید پڑھو گے۔" چنانچہ بعد میں انہوں نے سریانی زبان کو بھی سیکھا اور بائبل کو سریانی زبان میں پڑھتے۔"

اس سے یہ حکمت بھی سامنے آتی ہے کہ دین کے اہداف میں غیر مسلموں کی کتب سے موثر لائحہ عمل کے تحت استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

غیر مسلموں سے تعاون

عام غیر مسلموں سے تعلقات سے استوار کرنے کی بھی اجازت اسلام دیتا ہے، بلکہ ضرورت پڑنے پر ان کے دکھ درد اور مشکل میں کام آنے کی بھی اجازت دیتا ہے قرآن میں حکم ہوتا ہے:

﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴾[2]

"نہیں ہے تم پر (اے نبی) ذمہ داری ان کو راہ پر لانے کی بلکہ اللہ ہدایت بخشا ہے۔ جسے چاہتا ہے۔اور جو بھی خرچ کرتے ہو تم کوئی مال (بطور خیرات) تو اس کا فائدہ تم ہی کو ہے۔اس لیے کہ نہیں خرچ کرتے ہو تم مگر حاصل کرنے کے لیے اللہ کی رضا اور جو بھی تم خرچ کرتے ہو کوئی مال (بطور خیرات) پورا پورا دے دیا جائے گا وہ تمہیں اور تمہاری حق تلفی نہ کی جائے گی۔"

(1) احمد بن حنبل، (1998ء)، مسند امام احمد بن حنبل، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، الرقم: 7833

(2) البقرہ 272/2

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں کئی روایات ہیں۔ابن کثیر اس کی تفسیر میں درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ق نے مسلمانوں پر اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے کی ہدایت کی تھی(1)۔ جبکہ سعید بن جبیر کی روایت کے مطابق مسلمان حاجت مندوں ذمیوں پر صدقہ کرتے تھے۔جب مسلمان حاجت مندوں کی تعداد زیادہ ہوئی تو آپؐ نے صرف مسلمانوں پر خرچ کرنے کی ہدایت کی۔تو یہ آیت نازل ہوئی کہ جو مسلمان نہیں ان پر بھی مال خرچ کرو۔(2)

اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ نے مسلم و غیر مسلم ہر فرد اور ہر طبقے پر صدقہ و خیرات کی ہدایت فرمادی۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے حکم دیا کہ کسی بھی دین کا ماننے والا تم سے سوال کرے تو اس پر خرچ کرو-(3)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کی امداد صدقہ و خیرات سے کی جاسکتی ہے۔زکوٰۃ ان پر صرف نہیں کی جاسکتی ہے، کیونکہ وہ صرف مسلمانوں کے مصرف کے لیے ہے۔

غیر مسلموں کو مسلم ممالک کی فوج میں بطور فوجی بھرتی کرنا۔

غیر مسلموں سے فوجی خدمات لینے یا نہ لینے کے حوالے سے عموماً دو مکتبہ فکر پائے جاتے ہیں۔پہلے مکتبہ فکر جو امام احمد کی رائے کو ترجیح دیتا ہے ان کے نزدیک یہ صحیح نہیں کہ ایسے معاملے میں غیر مسلم سے استفادہ کیا جائے۔ان کے نزدیک نبی کریم کا وہ عمل اور روایت ہے جس کے ذریعہ اس مکتبہ فکر کی تائید ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ غزوہ بدر کے لیے سفر میں تھے،آپؐ کو راستے میں شخص آپ کے پاس آیا، یہ آدمی اپنی شجاعت کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔اس شخص نے آپ سے غزوہ میں شرکت کی اجازت چاہی، آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو اس نے انکار میں جواب دیا۔آپ نے فرمایا(ان لا نستعین بمشرک)(4)"ہم کسی مشرک سے مدد نہیں حاصل کرتے"کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ شخص دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن آپ نے جب اپنا وہی سوال دہرایا

(1) ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین اسماعیل، (1356ھ)، القرآن العظیم، مطبع مصطفیٰ محمد، مصر، ج1، ص323

(2) قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری، (1987ء)، الجامع الاحکام القرآن، الہیئۃ المصریۃ العامۃ، جلد3، ص237

(3) ابن کثیر، القرآن العظیم، ج1، ص324

(4) مسلم بن حجاج القشیری النشاپوری: الصحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب کراہۃ الاستعانۃ فی الغزو الخ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، 118/2

تواس کے انکار کرنے پر اسے واپس کر دیا، تیسری بار جب وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا تواس نے اللہ اور اسے کے رسول پر ایمان لانے کا اقرار کیا پھر آپ نے اسے غزوہ میں شرکت کی اجازت دی۔

علاوہ ازیں ایسی کئی روایات ہیں جن سے یہ بیان ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کئی بار غیر مسلموں کی خدمات سے پیچیدہ صورتحال میں استفادہ کیا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے جب مدینہ سے ہجرت کرنے لگے تو آپ نے راستے کی راہنمائی کے لیے ایک کافر جسکا تعلق لدیل سے تھا کی خدمات اجرت پر حاصل کی اس شخص کا نام عبداللہ بن اریقط تھا۔ اس سے قسم بھی لی گئی کہ وہ اس ہجرت کے متعلق کسی کو خبر نہ دیے گا، اس نے زمانہ جاہلیت کے مطابق قسم کھائی۔[(1)] اس پر آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر نے بھروسہ کرتے ہوئے اپنی اونٹنیاں اس کے حوالے کر دیں، جب تین دن بعد آپ ﷺ کی تلاش سست روئی کا شکار ہوئی تو وہ شخص غار ثور آپ ﷺ کے پاس اونٹنیاں لے کر حاضر ہوا اور آپ دونوں کو لے کر مدینہ گیا۔[(2)]

نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے وقت ایک غیر مسلم سے معاوضہ مقرر کر کے راستے کی راہنمائی میں مدد لی۔

علامہ بدرالدین کے نزدیک اس روایت سے درج ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں:

مشرک اگر وفادار اور قابل بھروسہ ہو، وعدے اور قول کا پختہ ہو، اعلیٰ اخلاق کا مالک ہو تو اس کا تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حالات کی سنگینی اور معاملات کی نزاکت کو مد نظر رکھتے ہوئے بااعتبار غیر مسلم کا تعاون جنگی نوعیت کے امور میں کیا جاسکتا ہے۔ یہی بات امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور کچھ دیگر کے ہاں جائز ہے۔

غزوہ خیبر کے موقع پر نبی کریم ﷺ پر بنو قنیقاع کے ایک یہودی سے بھی مدد لی۔ نبی کریم ﷺ کو قبیلہ ہوازن کے مسلمانوں کے خلاف مسلح کوشش کے لیے تیاریوں کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیاری شروع کی۔ اس دوران یہ بات سامنے آئی کہ ایک مشرک صفوان بن امیہ پاس کافی مقدار میں اسلحہ ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنا نمایندہ اس کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ صفوان سے اس کے ہتھیار عاریتاً لے سکے اور جنگ میں ان سے استفادہ حاصل کر سکیں۔ اس نے پوچھا کہ

(1) ابن حجر، احمد بن علی بن حجر عسقلانی، (1972ء)، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، مکتبہ مصطفی البابی الحلبی، مصر، ج7، ص، 227

(2) بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، (س ن)، الجامع الصحیح المسند من احادیث رسول اللہ، ص332-338، رقم: 2264

یہ ہتھیار غصب تو نہیں ہو جائیں گے۔ آپؐ کے نمایندے کی آپؐ کی طرف سے یقین دہانی اس نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے سوزرہیں اور مناسب اسلحہ دے دیا۔(1)

اس سے یہ نقطہ واضح ہوتا ہے کہ ایک تو غیر مسلم کی وفاداری غیر مشتبہ ہو نیز کسی کے صرف غیر مسلم ہونے سے اس پر بھروسہ نہ کرنا درست نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مکمل یقین دہانی کے بعد مشرک قبائل پر بھروسہ کیا۔ بنی خزاعہ کے بارے میں احادیث میں ہے کہ قبیلہ بنی خزاعہ کے مشرک اور مسلم رسول اللہ ﷺ کے معتمد تھے۔(2) چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ بنی خزاعہ کے مسلم اور غیر مسلم نبی کریم ﷺ کے لشکر کا حصہ تھے۔ آپؐ نے غیر مسلموں سے استفادہ کیا۔

غیر مسلم اہل علم سے استفادہ کرنا

جمہور علماء کے نزدیک غیر مسلموں یا ان اقوام افراد سے جو اپنے علوم میں ماہر ہو معاوضہ کے عوض اسکے علم سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں نبی کریم ﷺ کی سیرت ہماری بھرپور راہنمائی کرتی ہے جیسا کہ اس واقعہ سے صاف واضع ہوتا ہے۔ حضرت سلمان فارسی جن کا تعلق ایران سے تھا، وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ عربی زبان میں مہارت نہیں رکھتے تھے۔ (طلب النبی ترجمانا وکان فی المدينه يهودي عارفا بالعربی و الفارسی) "نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے ایک یہودی کو ترجمان کے طور پر طلب کیا جو عربی اور فارسی زبان جانتا تھا"۔(3)

غیر مانوس زبان وعلوم کو جاننے کے لیے غیر مسلم اہل علم سے استفادہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمان کے لیے کیا۔

غیر مسلم معالج سے علاج

غیر مسلم معالج سے مسلمانوں کو جنگ وامن دونوں حالات میں نفع حاصل کرنے سے اسلام بالکل منع نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اگر غیر مسلم طیب اپنے کام میں ماہر ہے تو اس سے مسلسل نفع لینے میں اس کو ترجیح دینا بھی درست ہے کیونکہ شفاء من جانب اللہ ہے۔ اس کی عملی مثال خود نبی کریم ﷺ کی ذات ہمیں مہیا کرتی ہے۔ جیسا کہ حدیث کی کتب میں ہیں کہ حضرت سعد کے بیمار

---

(1) ابن ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویہ (دار لمعرفتہ، بیروت، 1937ء)، جلد 4، ص۔ 68

(2) ابن ہشام: السیرۃ النبویہ، ص 461

(3) بکری، حسین بن محمد بن الحسن الدیار، (1967ء)، التاریخ الخمیس فی احوال النفس النفیس، دار صادر، بیروت، ج 1 ص 325

ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ایک غیر مسلم معالج سے علاج کا حکم دیا، کیونکہ وہ ایک ماہر معالج تھا۔ صحت کے لیے غیر مسلم معالج سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

"حضرت سعد بن ابی وقاص فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ آئے تو وہ بیمار ہوگئے اس پر آپ ﷺ نے سعد کو مشورہ دیا اور فرمایا (ایت الحارث بن کلدہ اخاثقیف فانہ متطیب)[1]" حارث بن کلدہ جس کا تعلق ثقیف قبیلہ سے ہے اس سے علاج کے لیے کہا کیونکہ وہ طبیب ہے۔ "اور خود بھی حارث کو حکم دیا کہ (علاج سعد امابہ) "سعد جس مرض میں مبتلا ہیں تم اس کا علاج کرو"۔[2]

حارث بن کلدہ عرب کا مشہور تھا اور طائف کا رہنے والا تھا۔ وہ امیر معاویہ کے زمانے تک زندہ رہا اور آزادی کے ساتھ علاج معالجہ کا کام کرتا رہا۔

غیر مسلموں سے معیشت و تجارت میں تعاون و استفادہ کرنا

افراد کی زندگی کا دار مدار روزگار اور مادی وسائل پر ہیں۔ انسان کی زندگی بنیادی ضروریات کی محتاج ہے اس کے لیے باہمی تجارت اور لین دین اٹل حقیقت ہے۔ اسلام میں میں غیر مسلموں کے ساتھ ایسے تعلق اور معاہدہ کرنا جائز ہے۔ اسلام لوگوں پر زندگی تنگ کرنے کی بجائے یسر کا معاملہ پسند کرتا ہے نیز زندگی کی ضروریات پوری ہوسکے۔

مدینہ کے یہود سے مسلمانوں کے روابط اگرچہ مثالی نوعیت کے نہیں تھے۔ اس کے باوجود یہودی مسلمانوں کے بازاروں میں اپنا سامان تجارت لاتے اور ان کو اس کام سے روکا نہیں جاتا تھا۔[3] اسی طرح نبی کریم ﷺ نے صلح حدیبیہ سے پہلے مدینہ کی عمدہ عجوہ کھجوریں ابو سفیان کو دیں اور قیمت کے طور پر چمڑا طلب کیا۔ یہ چمڑا طائف کا تھا۔[4]

اس دنیا میں تجارت تمام معاشی اعمال میں سب سے بڑا وسیلہ معاش ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے تجارت کی ترغیب دی ہے۔

---

(1) ابوداؤد، السنن ابی داؤد، کتب الطب رقم: 3875

(2) ابن حجر، احمد بن علی بن حجر عسقلانی، (1978ء)، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الرقم: 3021

(3) محمود احمد غازی، ڈاکٹر، (2007ء)، محاضرات سیرت، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، ص 433

(4) حمید اللہ، ڈاکٹر، (1981ء)، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی، ص، 258

حد ثنا ابو نعمان :'حدثنا معتمرين سليمان ، عن ابيه ، عن ابى عثمان ، عن عبدالرحمن بن ابى بكر رضى الله عنهما : قال كنا مع النبى ﷺ ثم جا رجل مشرك مشعان طويل بغثم يسوقوها-فقال النبى ﷺ بيعا ام عطه ؟ او قال ام هبه ، قال لا بل بيع ، فاشترى منه شاة [1]

ترجمہ :"عبد الرحمن بن ابی بکر کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔اتنے میں ایک شخص آیا جو مشرک تھا۔بے انتہا لمبا اور اس کے سر کے بال پریشان تھے۔ بکریاں ہنکاتا ہوا لا رہا تھا۔نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا بیچنے کے لیے ہیں یا عطیہ دینے کے لیے ہیں، راوی کو شک ہے کہ عطیہ یا ھبہ کا لفظ کہا۔اس نے کہا کچھ نہیں بلکہ فروخت کے لیے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے ایک بکری خرید لی۔"

جب مدینہ میں آپ ﷺ نے یہودیوں کو جلاوطن کیا تو ان کو زمینیں فروخت کرنے کا حکم دیا۔[2]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مشرک سے بیع جائز ہے اور یہود سے بھی، علماء کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ کاوبار میں شرکت بھی جائز ہے۔اس کے استدلال کے لیے حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی وہ حدیث ہے کہ

"قال :اعطى رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر اليهود ان عملوها ويزرعوها، ولهم شطر ما يخرج منها۔[3]

ترجمہ "نبی کریم ﷺ نے خیبر کو فتح کرنے کے بعد یہود کو اس شرط پر مقبوضہ زمین پر کاشت کی اجازت دی کہ انہیں فصل کا آدھا ملے گا۔

نبی کریم ﷺ نے مشرک شخص سے بکری بھی خریدی اور یہودیوں کی زمینوں پر پیداوار کا نصف بھی لیا۔ درجہ بالا احادیث سے جب زراعت کا جواز ہے تو دیگر معاملات کا جواز بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

دین اسلام نے صرف ان لوگوں کے ساتھ تجارت سے منع کیا ہے جو حربی ہو یا مسلمانوں کے خلاف متحرک ہوں۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے :

---

(1) البخاری کتاب البیوع، باب البیع مع المشرک اھل عرب رقم:2216

(2) تقی عثمانی، محمد، (2008ء)، اسلام اور جدید معاشی مسائل، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج4، ص23

(3) البخاری، کتاب الشرکۃ، باب مشارکۃ الذمی والمشرکین فی المزارعۃ:2499

﴿ لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوا اِلَيْهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾(1)

ترجمہ "جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا، اللہ تو انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تمہیں ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے جنگ کی اور تمہیں ملک سے نکال دیا اور نکال دینے والوں کی مدد کی جو لوگ ایسے کفار سے دوستی رکھے وہ ظالم ہیں۔"

ڈاکٹر نور محمد غفاری کہتے ہیں کہ :ان آیات میں واضح اشارہ ہے کہ اسلام کا قانون تجارت مسلمانوں کو صرف ان اقوام سے تجارت میں استفادے سے روکتا ہے جو مسلمانوں کے دین کے دشمن ہوں اور حالت جنگ میں ہوں ۔، باقی سب سے استفادے کی اجازت ہے۔(2)

نجیب اللہ ندوی کے مطابق پرامن حالات میں دالکفر سے تجارت منع نہیں اور اسی طرح مستامن کے احکام بھی مختلف ہونگے۔ جیسا کہ چین بہت سے اسلامی ممالک کے لیے دارلکفر تو ہے، لیکن وہ ان کے لیے دار لحرب نہیں ہے۔(3)

غیر مسلموں سے تحائف وصول کرنا

غیر مسلموں سے تحائف کا تبادلہ اسلام میں کوئی قابل مذمت فعل نہیں ہے اور نہ ہی اخلاقی لحاظ سے اس کی مذہب میں کوئی ممانت ملتی ہے۔ اگر ہم سیرت کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضع ہوتی ہے نبی کریم ﷺ نے ایک سے زیادہ مواقع پر غیر مسلموں سے تحائف کا تبادلہ کیا۔ بہت سے دوسرے علاقوں کے بادشاہوں اور سرداروں نے آپ کی خدمت میں تحائف بھیجے۔

(1) الممتحنۃ:8-9

(2) غفاری، نور محمد، ڈاکٹر، (1989ء)، اسلام کا قانون تجارت، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری۔لاہور، ص197

(3) ندوی، نجیب اللہ، (1990ء)، اسلام کے بین الاقوامی اصول اور تصورات، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور، ص83

حضرت علی نے فرمایا (اهدي كسرى لرسولﷺ فقبل منه وله قيصر فقبل منه واهتدت له العلوك فقبل منهم) کسری نے آپ ﷺ کو تحفہ دیا، آپ ﷺ نے قبول کیا۔[1] ایران کی ملکہ نے بھی آپ ﷺ کو تحائف بھیجے۔ ایلیا(فلسطین)کے بادشاہ نے آپ ﷺ کو ایک سفید خچر اور ایک چادر کا تحفہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔[2]

نبی کریم ﷺ نے 6ھ میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو اسکندریہ مقوقس جو کہ اس وقت مصر کا حکمران تھا کے پاس اسلام کی تبلیغ کے ساتھ بھیجا۔ اس نے حاطب سے رسالت کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے خوش ہو کر آپ کی خدمت میں بطور تحفہ حضرت ماریہ اور ان کے ساتھ ایک خادمہ سیرین، لباس اور خچر حاضر کیا۔[3] مقوقس نے اس کے علاوہ جو تحائف بھجوائے وہ یہ تھے۔ ایک ہزار مثقال سونا، بیس عدد ملائم کپڑے، ایک خچر جس کا نام دلدل تھا۔[4]

ایک اور روایت کے مطابق مقوقس نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شیشہ کا پیالہ نذر کیا جو آپ کے استعمال میں رہا۔[5] اسی طرح یمن کے شاہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک من شہد کا مٹکا بھیجا جو آپ نے قبول کیا۔[6]

رسول اللہ نے مختلف غیر مسلم حکمرانوں سے تحائف وصول کیے اور ان کو اپنے استعمال میں رکھا۔

غیر مسلم کی مسلمان کے لیے شہادت کے قابل قبول ہونے کا جواز

دین اسلام میں انصاف کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ انصاف سے معاشرتی بقاء جڑی ہے۔ قانون کی بالادستی اور انصاف کے حصول میں انسانی شہادت کو ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کے دیگر معاملات میں انسانی گواہی کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ وہ امور جن کا تعلق انسانی گواہی سے کیا ان میں غیر مسلموں کی گواہی قابل قبول ہے اور کیا مسلمان گواہ کے ہوتے ہوئے غیر مسلم کی گواہی اہمیت رکھتی ہے؟ قرآن میں ہے۔

(1) ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی، (1429ھ)، جامع الترمذی، باب السیر، باب ماجاء فی قبول ہدایا المشرکین (دار السلام النشر والتوریع، ریاض، الرقم: 1576

(2) بخاری، الصحیح، کتاب زکوۃ، باب خرص التمر، الرقم: 1481،

(3) ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد بن الزہری، (1958ء)، طبقات ابن سعد، دار صادر، بیروت، ج1، ص260

(4) یوسف بن عبداللہ محمد عبدالبر، (2009)، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب، دار الفکر، بیروت، ج2، ص۔313-410

(5) عینی، بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد، (1972ء)، عمدۃ القاری الشرح صحیح البخاری، مکتبہ مصطفی البابی الحلبی، مصر، ج11، ص74

(6) شامی محمد بن یوسف الصالحہ شامی، (2013ء)، سبل الھدی والرشد فی سیرۃ خیر العباد، زاویہ پبلیشرز، لاہور، ج9، ص28

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِه ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ★ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرَانِ يَقُوْمَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ★ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ﴾ (1)

ترجمہ: "اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آئے اور وہ وصیت کرے تو اپنوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنائے اور اگر تم مفرد میں ہو اور موت کا وقت آپہونچے تو دوسروں میں سے دو کو گواہ بنا سکتے ہو۔ اگر تمہیں گواہوں کے بارے میں شبہ ہو جائے تو تم ان کو نماز کے بعد روکو۔ وہ اللہ کی قسم کھائیں گے کہ ہم اس کے بدلہ میں کوئی مالی فائدہ نہیں اٹھارہے ہیں خواہ ہمارا کوئی رشتہ دار یہ کیوں نہ ہو اور نہ ہم اللہ کی گواہی کو چھپارہے ہیں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو گناہ گار ہوں گے۔ پھر اگر پتہ چل جائے کہ ان دونوں نے (حقیقت کو چھپا کر) گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو ان کی جگہ دو گواہ جو میت سے زیادہ قریب ہیں اور جن کا حق مارا گیا ہے کھڑے ہوں گے اور اللہ کی قسم کھائیں گے کہ ہماری گواہی ان کی گواہی کے مقابلہ میں زیادہ سچی ہے۔ ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے ورنہ ہم ظالم ہونگے اس طرح توقع ہے کہ لوگ شہادت صحیح طریقہ سے ادا کریں یا اس بات سے ڈریں کہ ان کی قسمیں دوسری قسموں کے بعد ہو جائیں گی۔ اللہ سے ڈرو اور بات سنو۔ اللہ فاسقوں کی ہدایت نہیں کرتا۔"

زیادہ تر مفسرین کے نزدیک درجہ بالا آیات میں عادل مسلمانوں کا ذکر ہے اور جو غیر کی بات ہے ان سے مراد غیر خاندان کے یعنی دوسرے مسلمان مراد ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر مراد نہیں ہے اس لیے غیر مسلم کی گواہی مسلمان کے حق میں قابل قبول نہیں ہے۔

(1) المائدہ: 6/106-108

علامہ ابن جریر طبری کے ہاں "واخران من غیرکم " میں اللہ تعالیٰ نے کسی گروہ کی تخصیص نہیں کی ہے، یعنی جو لوگ دائرہ اسلام سے باہر ہیں چاہے وہ کسی مذہب کے پیروکار ہو، سب شامل ہیں۔[1]

جبکہ امام رازی ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں قرآن کے مطابق و اشھد و ا ذوی عدل منکم (اپنے میں سے دو عادل افراد کو گواہ بناؤ) اس سے مراد ہے کہ مسلمان ہی شہادت کا اہل ہے۔ اور کافر کی گواہی سے انکار کی وجہ یہ بنی کہ وہ عادل نہیں ہوتا، اس لیے اس کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ یہاں عقیدہ زیر بحث نہیں ہے بلکہ گواہی معتبر نہ ہونے کی وجہ جھوٹ، غلط بیانی، اور گمراہی ہے، اگر یہ عیب ان میں نہیں ہے تو ان کی گواہی قابل قبول ہے اسی طرح اگر غیر مسلم سچا ہے تو اس کی گواہی بھی قابل قبول ہونی چاہیے۔ امام رازی کی رائے غیر مسلم کی گواہی کی راہ ہموار کرتی ہے۔[2]

اگر عصر حاضر میں غیر مسلم کی گواہی کی اہمیت اس لحاظ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ آج پوری دنیا میں مسلمان اور غیر مسلم ایک دوسرے کے معاشرے کا حصہ ہیں۔ اور عملی زندگی میں ان کے رویے اور ان کے درمیان تعاون یا عدم تعاون کی صورتحال باہمی امن اور خیر سگالی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ایسی آبادیاں یا ممالک جہاں پر غیر مسلم اکثریت میں ہے وہاں تجارت، قرض، لین دین، اور دیگر تنازعات میں غیر مسلموں کی شہادت ان کی مجبوری ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو نقصان سے محفوظ رکھ سکے-[3]

درجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسانی گواہی قانون شہادت میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ اس کے لیے گواہ کا عادل اور راست گو ہونا اولین شرط ہے۔ یہ شرط اگر غیر مسلم میں بھی پائی جائے تو اس کی گواہی کی بھی وہی حیثیت ہے جو ایک عادل مسلمان کی گواہی کی اہمیت ہے، ورنہ مسلمان تو کسی بھی طرح کے ہو سکتے ہیں۔

غیر مسلموں سے تعاون واستفادہ کے سلبی پہلو

رواداری کو اسلام اس لیے پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو یکساں نہیں بنایا اور نہ ہی تمام انسانوں کو ملت واحد بنایا ہے۔ ایک معاشرے میں اجتماعیت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور کوئی بھی معاشرہ یکسانیت کی عکاسی نہیں کرتا اس لیے ایک

(1) طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، (1978ء)، تفسیر جامع البیان عن تاویل آی القرآن، مکتبہ دار المعرفتہ، بیروت، ج11، ص169

(2) رازی، فخر الدین محمد بن عمر، (1308ھ)، مفاتح الغیب تفسیر الکبیر، المطبعۃ العامرۃ الشرفیہ، مصر، ج3، ص476

(3) عمری، جلال الدین، (2007ء)، غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ص188-190

دوسرے کے عقائد اور اختلاف کے درمیان رواداری کو فروغ دینے کی ترغیب کی ہے۔ لیکن اللہ ہی ہمیں غیر مسلموں سے عدم تعلقات اور کنارہ کشی کا حکم بھی دیتا ہے۔ بلکہ ان کے خلاف جنگ کا حکم بھی دیتا ہے۔

اس نازک مسئلہ کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا مکی دور اور مدینہ ہجرت کے ایام میں مشرکین کی سازشوں اور منافقین کی مفاد پرستیوں کو دوبارہ سے جاننے کی ضرورت ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اسلام کی دعوت نے مشرکین اور یہودیوں کے ہوش اڑ دیئے اور وہ اپنے اختلافات بھول کر مسلمانوں کو ختم کرنے میں لگ گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے کا کوئی موقعہ ہاتھ نہ جانے دیا اور ایک مسلسل حالت جنگ برپا کر دی۔ ان وجوہات کی بناپر ان سے قطع تعلق اور عدم تعاون کا حکم دیا گیا۔

قران میں یہ آیات اس حکم کی وضاحت کرتی ہیں:

﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۗ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيَاتِ ۖ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ★هَآ اَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتَابِ كُلِّه ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۘ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۖ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴾[1]

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنے لوگوں کے سوا دوسروں کو راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمہارے نقصان میں کوئی کوتاہی نہیں رکھتے۔ وہ اس بات سے خوش ہوتے ہیں جس سے تمہیں تکلیف پہنچے۔ ان کے چہرے سے کچھ عداوت ظاہر ہے اور کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ ہم نے تمہیں اپنی آیات کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم عقل سے کام لو۔ دیکھو تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم آسمانی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہو۔ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے اور جب تنہائی میں ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصہ سے انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ ان کہو کہ مر واپنے غصے سے۔ بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں تکلیف ہوتی ہے اور اگر تمہیں تکلیف پہنچے تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر سے

(1) آل عمران: 3/118-120

کرو اور تقویٰ اختیار کرو توان کی کوئی چال تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔بے شک اللہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اسے احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔

درج بالا آیات میں یہود اور منافقین کا ذکر کیا گیا ہے۔منافقین سے مسلمانوں کی معاشرتی اور تجارتی تعلقات تھے۔جس کی وجہ سے مسلمان ان کی سازشیوں کو سمجھ نہ پاتے اور ان پر اعتماد اور بھروسہ ہونے کی وجہ سے ان کو اپنا دوست تصور کرتے جبکہ یہ مسلمانوں کے درمیان آستین کا سانپ کا کردار ادا کر رہے تھے۔اس لیے ان آیات میں قرآن ان لوگوں (یہود اور منافقین) کے قلبی اور روحانی امراض کے بارے میں مسلمانوں کو کھل کر بیان کر رہ ہے تاکہ مسلمان ان کی دشمنی اور گھناؤنے ارادوں سے مسلمان باخبر رہیں۔اس کے بارے میں یہ حکمت ہے کہ مسلمان ان کو اپنا خیر خواہ سمجھتے ہوئے انہیں اپنا حال دل نہ سنادیں اور یہ بات اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔

ان آیات کی موجودگی یہ وصف بھی سامنے آتا ہے کہ ہر دور میں ایک طبقہ مسلمانوں کے اندر یا باہر یعنی غیر مسلموں میں موجود رہے گا جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحرک رہے گا مسلمانوں کے اندر وہ لوگ ہوں گے تو مسلمان مگر قلبی طور پر وہ غیر مسلم اقوام کے زیادہ قریب اور ان کے اور اپنے وقتی نفع کے لیے مسلمانوں کے ملی، دینی اور اجتماعی مقاصد کو نقب لگانے سے بھی گریز نہ کریں گے ایسے مسلمانوں کی مثالیں ہر دور میں موجود ہیں اور تاریخ انہیں میر جعفر اور صادق کے ناموں سے یاد کرتی ہے۔

غیر مسلم سے تجارت میں سلبی پہلو:

دین کامل ہونے کے ناطے سے اسلام بنی نوع کی ہر معاملے میں راہنمائی کرتا ہے وہاں عقائد اور عبادات کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں حلال اور حرام کی وضاحت نہایت جامع انداز میں کر دی ہے۔ان کا دائرہ کھانے پینے سے لے کر تجارت پر محیط ہے۔اگرچہ بہت سے سامی ادیان میں بھی یہ حلت موجود ہے مگر ان قوموں نے شریعت میں تحریف کر دی ہے اور اللہ کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔اس لیے وہ اس دنیا میں آزاد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خنزیر، سود، جوئے اور شراب کو حرام قرار دیا ہے۔اور مسلمانوں کے لیے ان کی تجارت و منفعت بھی حرام قرار دی ہے۔کیا غیر مسلم سے حلال اشیاء کی تجارت ہو سکتی ہے جبکہ غیر مسلم ان پابندیوں سے آزاد ہیں۔

غیر مسلم کے مال سے نفع حاصل کرنے کے لیے اس کا جائز یا ناجائز ہو ناضروری نہیں لیکن وہ نفع کسی ناجائز شرائط کے عوض حاصل نہ کیا گیا ہو۔ جیسا کہ ان احادیث مطابق نبی کریم ﷺ اکثر باوقت ضرورت یہودیوں سے اپنی زرہ گروی رکھوا کر قرض لیتے تھے۔ حضرت عائشہ سے روایت:

ان النبی صلی اللہ علیه وسلم اشتری طعاما من یهودي الی اجل ورهنه درمه من حدید[1]

"نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لیے بعام خریدا اور اس کے پاس اپنی زرہ رہن رکھی۔"

ایک دوسری جگہ حضرت عائشہ کی روایت ہے:

توفی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ودرعه مرحونة عند یهودي بثلا ثین صا عا من شعیر[2]

"نبی کریم ﷺ کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع کے عوض رہن تھی۔"

اس روایت سی استدلال کرتے ہوئے فقہا لکھتے ہیں کہ کفار سے معاملہ کرتے ہوئے اس بحث کی کوئی اہمیت نہیں کہ وہ کن ذرائع سے مال کماتے ہیں۔ اسلامی ریاست ان سے تجارت اور لین دین کا معاملہ حلال مال کے طور پر کرے گی الا یہ کہ کوئی ٹھوس ثبوت مل جائے۔[3]

(1) بخاری الصحیح: کتاب البیوع، باب شراء النبی: رقم الحدیث: 2068

(2) بخاری الصحیح: کتاب البیوع، باب شراء النبی: رقم الحدیث: 2069

(3) العید، حافظ ابن دقیق، (1998ء)، احکام الاحکام فی شرح احادیث سید الانام، اسفار للنشر، الکویت، ج3، ص196-198

دوستی کی ممانعت؛

متحارب ملک/اسرائیل سے تعلقات

قرب قیامت کی علامتوں اور آزمائشوں کو سننے کے باوجود یہودی بیت المقدس کو اپنی ملکیت ثابت کرنے، دنیا کے لیے نیو ورلڈ آرڈر بنانے والے فلسطین پر غاصبانہ قبضہ، اور مسلمانوں کے خلاف چار سو سے حملے کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑنے والے ہیں۔یہودیوں نے نہ صرف اپنے اس تعصب کو قائم رکھا ہوا ہے بلکہ فلسطین کی زمین پر ناجائز ملک کا قیام جس کا نام اسرائیل ہے بھی ان کی ان سازشوں کا ایک حصہ ہے۔آیا ایسی صورت میں جب آج کے دور میں ایک ملک جو کسی معاہدہ کی پاسداری بھی نہ کرتا ہو اور اس پر دار الحرب کا فتویٰ بھی لاگو ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اس ملک سے تعلقات کی کیا نوعیت ہونی چاہیے۔

اسرائیل ایک غاصب اور اسلام دشمن ملک ہے اس لیے اس سے مال درآمد کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسی اشیاء کی خریداری اور ان سے استفادہ سے پرہیز کرے جن بنانے اور بیچنے سے اسرائیل کو نفع ہو۔البتہ اس ملک کی صعنت یا دوسری کسب حلال کی اشکال جائز ہیں کیونکہ جائز مال کے بنانے میں ملنے والا معاوضہ حلال ہے چاہے وہ غیر مسلم کا دیا ہوا ہی کیوں نہ ہو۔[1]

پچھلی تین دہائیوں میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کی وجہ سے دنیا سمٹ کر ایک عالم بستی کی شکل اختیار کر گئی ہے۔مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ان مسلم ممالک کے علاوہ غیر مسلم ممالک میں بھی رہائش پذیر ہیں۔اسلام مسلمانوں کو غیر مسلموں سے اپنے دینی اور اجتماعی اہداف کے حصول کے لیے استفادہ وتعاون سے منع نہیں کرتا ہے، کیونکہ عرف لوگوں کے مفاد کے بدل جانے یا ضرورت کی رعایت ولحاظ کرتے ہوئے ان میں تغیر زمانے کے تحت شرعی حکم کو فوائد کے حصول اور فساد کو دور کرنے کے لیے بدلا جا سکتا ہے۔تغیر احکام کے اصول کو مصالح مرسلہ کے زیادہ نزدیک کرتی ہے۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو نیکی اور خیر کے کاموں میں تعاون واستفادہ کی اجازت دیتا ہے مگر شر کے کاموں میں عدم تعاون کی تلقین کرتا ہے۔قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾[2]

(1) غیر مسلموں کے ساتھ تجارت www.leader.i

(1) المائدہ:2/6

ترجمہ: "اور تعاون کرو نیکی اور پرہیز گاری میں اور مت تعاون کرو گناہ میں اور ظلم میں۔"

یہ تعاون ہی ہے جو قوموں اور معاشرے کو باہم مربوط کرتا ہے۔ جو قومیں عدم تعاون کی روش اپناتی بہت جلد زوال پذیر ہو جاتی ہے۔

ابو سیلمان کے نزدیک قدیم فقہاء نے قرآن اور سنت کو عہد نبوی کے تناظر میں سمجھا، جب مسلمان کفار کے ظلم و ستم کا شکار تھے۔اس بنیاد پر انہوں نے غیر مسلموں سے لاتعلقی کا رویہ اپنانے پر اصرار کیا۔ جبکہ اسلام کی تعلیمات ہمیں رواداری کا درس دیتی ہیں[1] اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ عصر حاضر میں ایک عام مسلمان کے لیے یسر کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے باہمی تعاون کی فضا کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔[2]

گلوبلائزیشن کے تصورات کے فروغ کے ساتھ اسلام کا قانون بین الاقوامی کی اہمیت بڑھتی جارہی ہے، عہد حاضر میں عالم گیریت کے حالات اور ان کے حل کے لیے فقہ "سیر" کو از سر نو سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔ یہ صرف اسلام کا حالت جنگ و امن نہیں ہے، بلکہ عصر حاضر میں بین الاقوامی انسانی حقوق اور قوانین کے تناظر میں نہایت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔اس وقت ایک مثالی اور مفید اسلامی ریاست کے تصور کے ساتھ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد غیر مسلم ممالک میں آباد ہے۔ مسلمانوں کے دینی اور اجتماعی اہداف کے حصول کے لیے غیر مسلموں سے استفادہ کرنے کے لیے مسلمانوں کی ذمہ داریوں میں اٹھنے والے کئی سوالوں کے جوابات دینا ابھی باقی ہیں۔ فقہ الاقلیات بھی اسی کا ایک حصہ ہے۔ غیر مسلموں سے بین الاقوامی تعاون و استفادہ صرف دو ممالک کے درمیان ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک مسلم اکثریت کے حامل ملک کے اندر بسنے والی غیر مسلم اقلیت سے استفادہ کا تصور بھی فراہم کرتا ہے۔

خلاصہ بحث:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جو بنی نوع انسان کے تمام مسائل نہ صرف حل مہیا کرتا ہے بلکہ انسانی معاشرے میں نفرت اور بغض جیسے موذی ناسور کا بھی قلع قمع کرتا ہے۔اسلام کی تعلیمات چند رسومات یا قوانین نہیں ہے ، بلکہ ایک مکمل دین ہونے کی وجہ سے یہ انسان کی معاشرے کے ہر شعبے اور معاملات میں راہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔اسلام جس

(2)AbdulHamid A.AbuSulayman ,Toward an Islamic Theory of International Relation : New Direction for Methodology and Thought, (The International Institute of Islamic Thought , Herndon, U.S.A. ,1993)p.35

(3)ایضا، ص54

ہمہ گیریت، اعتدال اور جامعیت کا حامل دین ہے ، یہ دیگر قوموں کے ساتھ نہ صرف رواداری اور انسانی ہمدردی کے جذبے کو فروغ دیتا ہے بلکہ ان سے استفادہ اور تعاون کرنے کی مکمل اجازت دیتا ہے تاکہ معاشرے میں کشاکش کی فضا کا خاتمہ ہو سکے۔ غیر مسلموں سے تعاون واستفادہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہیں ہے۔ غیر مسلموں سے عبادات اور عقائد کے بارے میں کوئی استفادہ نہیں ہو سکتا ہے۔اسی طرح حرام اور ممنوعہ امور میں بھی ممکن نہیں۔ صرف ان امور میں تعاون واستفادہ ممکن ہے جس سے معاشرتی، معاشی اور اخلاقی فلاح کا پہلو ہو۔اس طرح ان غیر مسلموں سے عدم تعاون کا حکم ہے جو مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کریں اور انہیں کچلنے کی کوشش کریں۔ گلوبلائزیشن کی وجہ سے جہاں دنیا سمٹ کر ایک بستی کی صورت اختیار کر گئی ہے وہاں غیر مسلموں سے استفادہ و تعاون بھی غیر معمولی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔اس وقت تمام ممالک میں ہر رنگ و نسل کے افراد رہائش پذیر ہیں اور ان میں مذہب اور رنگ و نسل کی وجہ سے کوئی امتیاز نہیں ہے اور سب کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔ غیر مسلموں سے تعاون واستفادہ کے لیے عصر حاضر میں از سر نو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ غیر مسلموں سے تعاون واستفادہ کرتے ہوئے سیرت النبی سے راہنمائی لینے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ آپ کی ہستی تمام دنیا کے لیے مشعل راہ ہے۔

تجاویز:

اسلام میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔اس لیے ہر شخص کو اپنے عقیدے پر قائم رہنے کا مکمل حق ہے۔

معاشرے میں تعصب اور نفرت کی جگہ رواداری اور برداشت کو فروغ دینا چاہیے۔

معاشرے میں موجود تمام اقلیتوں چاہے وہ غیر مسلم معاشرے میں مسلم اقلیت ہو یا مسلم معاشرے میں غیر مسلم اقلیت، دونوں کو معاشرے کا کارآمد حصہ سمجھنا چاہے اور ایک دوسرے سے استفادہ و تعاون کرنا چاہے۔

دین اسلام کے مرتب شدہ اصول کو از سر نو ترتیب دے کر یسر کا پہلو اختیار کرنا چاہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆